کے علاوہ چھوٹے اور پس ماندہ علاقوں میں آغاز اور معاشرتی اقدار میں بہتری سے فلاحی ریاست کا قیام ممکن ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصّدقۃ قبل الردّ، ۱۴۱۱

۲۔ بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ۱۳۹۵؛ مسلم، کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشھادتین وشرائع الاسلام، ۱۲۱

۳۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، دارالکتب العلمیۃ، بیروت (لبنان)، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ئ، طبع دوم: ۲/۵۶۸

۴۔ ابوداؤد، البیوع، باب فی النھی عن الغش، ۳۴۵۲؛ ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع، ۱۳۱۵

۵۔ بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عثمان بن عفان؛ ترمذی، أبواب المناقب، باب فیعدّ عثمان تسمیۃ شھیداً وتجھیزہ جیش العسرۃ، ۳۷۰۳

۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، داربیروت، بیروت (لبنان)، ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ئ: ۳/۲۷۳

۷۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا ممّا تحبّون، ۴۵۵۴؛ ترمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، ۲۹۹۷

۸۔ بخاری، کتاب المظالم، باب لایظلم المسلم المسلم ولایسلمہ، ۲۴۴۲؛ مسلم، کتاب الآدب، باب تحریم الظلم، ۶۵۷۸

۹۔ بخاری، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲۴۴۶؛ مسلم، کتاب الآدب، باب تراحم المومنین، ۶۵۸۵

۱۰۔ مسلم، کتاب الآدب، باب تراحم المومنین، ۶۵۸۸

۱۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان أن یحبّ لأخیہ مایحبّ لنفسہ، ۱۳

۱۲۔ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قول عزوجل: وَیُؤْثِرُونَ عَلَیٰ أَنفُسِهِمْ، ۳۷۹۸؛ مسلم، کتاب الاطعمۃ، باب اکرام الضیف، ۵۳۵۹

۱۳۔ حوالہ سابق، ، باب اطعام الطعام من الاسلام، ۱۲
۱۴۔ بخاری، کتاب الأدب، باب من بسط لہ فی الرزق لصلہ الرحم، ۵۹۸۶
۱۵۔ ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حق الجوار، ۱۹۴۴
۱۶۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ، ۲۶۸۸
۱۷۔ بخاری، کتاب الأدب، باب اکرام الضّیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ، ۶۱۳۶
۱۸۔ حوالہ سابق، کتاب الادب، باب الساعی الی المسکین، ۶۰۰۷
۱۹۔ ابویوسف، کتاب الخراج، دار المعرفۃ، بیروت (لبنان)، ص ۳۷
۲۰۔ تاریخ الامم والملوک: ۲/۵۶۷
۲۱۔ الطبقات الکبری: ۵/۳۴۲
۲۲۔ حوالہ سابق: ۵/۳۵۹
۲۳۔ سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ئ، ص ۱۹۹
۲۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۸ھ: ۱/۶۳۷
۲۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، معاشیات اسلام، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۲۷
۲۶۔ حرمت ربا اور غیر سودی بینکاری نظام، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۲۸
۲۷۔ ابوعبید، قاسم بن سلام، کتاب الأموال، دار الفکر، قاہرہ (مصر)، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء، ص ۶۱
۲۸۔ الطبقات الکبری، ۳/۲۹۹
۲۹۔ بلاذری، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ئ، ص ۲۳۸
۳۰۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الطّائف، ۴۳۳۴

☆☆☆

سیر وسوانح

شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کی تفسیر

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

عربوں کے ذریعہ اندلس جیسے دیارِ غیر میں بلاشرکت غیرے تقریباً تین سو سال تک سیادت وحکم رانی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اگر چہ اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں ہی موسیٰ بن نصیر کی سر پرستی میں کاروان عرب نے فتح وظفر کے پرچم لہرادیے تھے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں ایک قلیل عرصے میں ہی خوش گوار تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں، تاہم ۱۳۲ھ کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب اموی حکومت کی حشمت واقتدار کا سورج مشرق میں غروب ہوا تو معاویہ بن ہشام کے بیٹے عبدالرحمن الداخل کی شکل میں اسی خاکستر کی ایک چنگاری دیارِ مشرق سے اٹھی اور اس نے بادِ مخالف کا مقابلہ کرتے ہوئے دیارِ مغرب کو اپنا ماوی ومستقر بنایا۔ پھر جب اس کے سر پر تاجِ امارت رکھا گیا تو اندلس میں تازگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ عرب حکم رانوں نے اپنے خون جگر سے اس دیار کی آبیاری کی، جس کے نتیجے میں اندلس ظاہری اور معنوی دونوں طریقوں سے شاداب اور لہلہاتی فصل میں تبدیل ہو گیا اور اس کی حیثیت تماشا گاہ عالم کی ہو گئی۔

اندلس کے مفسرین، محدثین، فقہاء اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین کی اس جاذب نظر کہکشاں میں ایک فقید المثال شخصیت وہ ہے جو دنیائے علم وفضل میں ابن عربی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی ولادت ۱۷؍رمضان ۵۶۰ھ میں اندلس کے شہر مرسیہ میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی محمد، کنیت ابو بکر اور لقب محی الدین ہے۔ علی بن محمد الحاتمی الطائی آپ کے والد محترم ہیں۔ آپ نے متعدد شادیاں کیں، جن سے کئی اولاد بھی ہوئیں، لیکن سعد الدین محمد اور عماد الدین ابو عبد اللہ نے بڑی شہرت ومقبولیت پائی۔ [۱]

ابن عربی نے دینیات اور معاصر علوم کی تحصیل کے بعد میدان تصوف کا رخ کیا اور اندلس اور افریقہ کے مشاہیر اساتذہ کی حاشیہ نشینی اختیار کی۔ اگرچہ انھوں نے اپنی ابتدائی نصف زندگی اندلس اور شمالی افریقہ کے نواح میں گزاری، لیکن ان کا کمال آب وتاب کے ساتھ مشرق میں جلوہ گر ہوا اور یہیں ان کی شاہ کار تصنیفات منظر عام پر آئیں۔ ۲؎ ان کی ابتدائی دور کی تصنیفات بیش تر رسالوں کی شکل میں ہیں، جو ان کی پختگی فکر اور دقت نظر پر دلالت نہیں کرتیں، البتہ آخری بیس سالوں کی تحریریں اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ وہ ان کے مضبوط فکر ونظر کی غماز ہیں اور ان پر باطنیت کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔ ۳؎

شیخ ابن عربی اپنی کثرت تالیفات کے لیے مشہور ہیں۔ فصوص الحکم اور الفتوحات المکیۃ ان کی آخری دو اہم ترین کتابیں ہیں، جو اواخر عمر کی عظیم الشان یادگاریں ہیں اور جن سے دین ودنیا اور بالخصوص خدا اور کائنات سے متعلق ان کے پختہ فکر ونظر کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اول الذکر تصنیف ۶۲۷ھ میں دمشق میں لکھی گئی، جب کہ آخر الذکر کا مقام تصنیف مکہ مکرمہ ہے۔ ان دو کتابوں سے ان کے فکر ونظر کے تعمق اور مخصوص فلسفہ (وحدۃ الوجود) کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے، لیکن دوسری تالیفات وتصنیفات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے، تاکہ ان کی شخصیت کی غیر جانب دارانہ اور غیر متعصّبانہ تصویر سامنے آسکے۔ ان کا شمار بلاشبہ کثیر التصانیف مصنفین ومؤلفین میں ہوتا ہے۔ بعض سوانح نگاروں نے ان کی تصنیفات کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) بعض نے چار سو (۴۰۰) اور بعض نے دو سو چوراسی (۲۸۴) بتائی ہے۔ شیخ نے اپنی وفات سے چھ سال قبل ۶۳۲ھ میں اپنی ایک یادداشت تحریر کی تھی، جس میں اپنی تالیفات وتصنیفات کی تعداد دو سو اکیاون (۲۵۱) بتائی تھی۔ ۴؎ ابن عربی کی جامع صفات شخصیت کا تعارف ان کے ایک سوانح نگار نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

وکان رضی اللّٰہ عنہ شیخاً جلیلاً، عالی القدر، واسع الصَّدر، متمکناً مِنَ العلوم الشرعیۃ، راسخاً فی اسرار المعارف الحقیقیۃ وفی سائر

العلوم التی حارت فیها الأفهامُ والحُلومُ، وکان أوحدَ أهل زمانه وأسعَدَ اقرانه وأنجَدَ اخوانه، لم یکن فی عصره من یوازیه ولافی دهره من یدانیه وکان فی عصره من العلماء الأبرار والمتکلمین النّظار، الفقهاءِ الأخیار والمشائخ الکبار مالم یوجدفی عصرمن الاعصار وکُلّهم أقروا بعلمه واعترفوا بفضله۔ ۵؎

''وہ (اللہ ان سے راضی ہو) شیخ جلیل، اعلیٰ قدر ومنزلت کے مالک اور کشادہ قلب تھے، شرعی علوم پر دست گاہ رکھنے والے، معارف حقیقیہ اور ان تمام علوم کے اسرار میں پختہ تھے جن میں فہم ودانش حیران رہتے ہیں۔ وہ اپنے زمانے میں منفرد، اپنے دوستوں میں بڑے سعادت منداور اپنے رفقاء میں سب سے بڑھ کر دست گیری کرنے والے تھے۔ ان کے زمانے میں کوئی ان کا حریف اورہم پلہ نہیں تھا۔ اپنے زمانے کے صالح علمائ، عمیق نظر رکھنے والے متکلمین، نیک فقہاء اور ان بڑے مشائخ میں تھے جوکسی زمانے میں نہیں پائے جاتے۔سب نے ان کے علم کا اقرار کیا ہے اوران کے فضل کا اعتراف کیا ہے''۔

ابن عربی ایک صوفی فلسفی ہونے کے علاوہ ایک اچھوتے اندازفکر کے حامل تھے۔ ان کی تحریروں کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا کون سا پہلو نمایاں اور غالب ہے؟ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک صوفی فلسفی اور وجودیت یا توحید وجودی سے موسوم ایک نئے دبستان فکر کے مؤسس تھے، لیکن فکرونظر کی بلندی کے ساتھ صوفیانہ جذبات سے متصف ہونے کی بنا پر ان کی تحریروں میں مضبوط و مستحکم استدلال کی کیفیت نہیں پیدا ہو پاتی۔ ان کے اسلوب سے متعلق دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے لکھا ہے:

''ابن عربی کے اسلوب میں یکسانیت نہیں ہے۔ان کا انداز بیان، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا اندازفکروقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو واضح اورسلیس انداز اختیار کرلیتے ہیں، ورنہ وہ بے حد مغلق اور مبہم اسلوب

سے بھی کام لے سکتے ہیں۔ دراصل اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ انھوں نے کس موضوع پر قلم اٹھایا ہے؟ اور وہ مذہبی نقطۂ نظر سے کتنی اہمیت کا حامل ہے''۔٦؎

تفسیر قرآن محی الدین ابن عربی کی ان اہم تصنیفات میں ہے جن سے ان کی جلالت علمی کے ساتھ وجود خداوندی اور کائنات سے متعلق ان کے مخصوص فکر کی نمائندگی ہوتی ہے۔ راقم کے پیش نظر المطبعۃ المیمنیۃ، مصر سے طبع شدہ وہ نسخہ ہے جو مصطفی البابی اور ان کے بھائیوں کے فراخ دلانہ تعاون سے زیور طبع سے آراستہ ہوا اور 'تفسیر الشیخ الاکبر' کے نام سے معروف ہے۔ یہ دو اجزاء میں ہے، جو ایک ہی جلد میں یکجا ہیں۔ پہلے جزء میں سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الکہف تک کی تفسیر کی گئی ہے، جب کہ دوسر جزء سورۂ مریم تا سورۃ الناس پر مشتمل ہے۔ چوں کہ شیخ نے ہر آیت کی تفسیر نہیں لکھی ہے، اس لیے حاشیے میں زیر بحث آیت یا اس کے مخصوص حصے کے علاوہ دیگر آیتیں بھی درج کر دی گئی ہیں۔ اس طرح پورا قرآن ان دونوں اجزاء کے حاشیے میں رقم ہے۔ آغاز میں شیخ اکبرؒ نے ایک مختصر مگر جامع تمہیدی گفتگو کی ہے، جس سے ان کی اس علمی کاوش کے مضمرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں شیخ کے اس مقدمۂ تفسیر کے بعض اہم مشتملات کو بالاختصار حوالۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ان سے شیخ کی اس قرآنی خدمت کے بعض نکات سامنے آتے ہیں۔

شیخ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش کے بعد تلاوت قرآن مجید اور اس کے معانی ومفاہیم کے تدبر وتفکر پر التزام کی ذاتی حلاوت، طمانینت قلب اور شرح صدر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر آیت کے اسرار ورموز عاجز پر اس حد تک واضح اور مبرہن ہو گئے کہ زبان شایان شان تحدیث نعمت سے قاصر ہے۔ فرماتے ہیں:

''فانی کلّما تَعَهّدتُ تلاوة القرآن وتدبرتُ معانیها بقوة الإیمان وکنت مع المُواظِبةِ علی الأوراد حرج الصدر، قَلَق الفؤادُ، لاینشَرِحُ بها قلبی ولایَصْرِفُنی عنها رَبّی، حتی استأنستُ بها فالِفْتُها

وذُقت حَلاوَةَ کأسها وشربتُها، فاذا أنا بها نشیطُ النفس فلَجَ الصدر متّسعَ البالِ مُنبِسطَ القلبِ فسیحَ السِّرِ طیِّبَ الوقتُ والحالُ مسرور الروح بذلک الفتوح۔ ۷؎

''پس میں نے جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کی اور اس کے معانی ومطالب پر ایمان کی قوت سے غور وفکر کیا (حالاں کہ میں اوراد میں التزام کی روش پر تھا) تو سینے میں تنگی محسوس ہوتی تھی، دل مضطرب رہتا تھا اور اس کے ذریعہ میرے قلب کو انشراح حاصل نہیں ہوتا تھا اور نہ میرا رب اس کی تلاوت سے مجھے پھیرتا تھا، یہاں تک کہ میں اس سے مانوس ہو گیا اور اس کی محبت دل میں بیٹھ گئی، اس کے جام کی حلاوت کا ذائقہ لیا اور اسے پیا۔ چنانچہ اس کے ذریعہ میں چاق وچوبند ہو گیا۔ پس سینہ مطلوب پر فتح مند ہوا، اس حال میں کہ وہ آسودہ اور دل کشادہ تھا۔ چنانچہ خوشی دوبالا ہوگئی، وقت خوش گوار ہوا اور حالت یہ تھی کہ روح کو ان فتوحات کے سبب سرور حاصل ہوا''۔

شیخ ابن عربی کے ان تمہیدی کلمات کی روشنی میں آیات قرآنی کے بارے میں ایک اور موقف سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ ہر آیت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کے لیے ایک حد ہوتی ہے اور ایک مطلع (بلند ہونے کی جگہ)۔ شیخ اس موقف کے بارے میں گفتگو کا سلسلہ دراز رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ظاہر سے مراد تفسیر اور باطن سے مراد تاویل ہے۔ حد اس کو کہتے ہیں جہاں فہم ودانش کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور مطلع وہ ہے جس تک اس سے بلند ہوا جاتا ہو۔ یہاں تک کہ وہ پھر سب سے بڑے جاننے والے بادشاہ حقیقی سے واقف ہوتا ہے''۔ ۸؎

غالباً تفسیر وتاویل سے شیخ کی مراد اس نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ تفسیر کا تعلق ظاہر کلام سے ہے اور تاویل کا تعلق اس کلام سے مترشح ہونے والے معانی ومفاہیم سے ہوتا ہے۔ شیخ اپنے تفسیری منہج کا تذکرہ کرتے ہوئے مخاطبین کو یہ گوش

گزار کراتے ہیں کہ انھوں نے تاویل کے پہلو کو اختیار کیا ہے اس لیے کہ اس کے ساکت اور منجمد نتائج نہیں رہتے، بلکہ سننے والے کے احوال اور سلوک کی راہ اختیار کرنے والے کے مراتب کے لحاظ سے ان کے اندر تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ تفسیر بالرآی کے کفر تک لے جانے کے سنگین پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ اپنی اس علمی کاوش میں تاویل کے طریقہ پر گام زن رہتے ہیں۔

اپنے ایک اور تفسیری منہج کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں کہ ''وہ آیتیں، جن کی تاویل میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، یا جن آیتوں کی تاویل کی ضرورت نہیں ہے، ان پر گفتگو کرنے سے میں نے احتراز کیا ہے''۔۹؎

شیخ ابن عربی مفہوم آیات کی وضاحت میں دوسرے مفسرین کی آراء یا تاویلات ذکر کرنے سے عموماً اجتناب کرتے ہیں اور جس آیت کے بارے میں خود توضیحی کلمات فرماتے ہیں یا کوئی تاویل کرتے ہیں، ان کے سلسلے میں ادّعائی انداز سے گریز کرتے ہیں۔ مقدمۂ تفسیر میں کلامِ الٰہی کے بحر ناپیدا کنار ہونے کی حقیقت، عقل کی نارسائی اور اپنے عجز وانکساری کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> **و لا ازْعَمُ انّی بَلَغْتُ الحدّفیما اَوْرَدْتُه کُلاَّفَاِنّ وجوہ الفهم لاتنحَصِرُ فِیما فهِمتُ وعلمُ اللہ لایتَقَیّد بما عَلِمْت ، و لِلّٰہ تعالی فی کلِ کَلمَۃِ کلماتٌ ینفَدُ ا البحر دون نفادها فکیف السبیلُ الی حَصْرِها وَتَعْدادِها''۔۱۰؎**

> ''مجھے اس بات کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے جن موضوعات سے بھی بحث کی ہے، ان کی انتہا تک پہنچ گیا ہوں، کیوں کہ فہم وادراک کی جہتوں کا انحصار میرے فہم پر نہیں ہے اور اللہ کا علم، جو میں جانتا ہوں، اس سے مقید نہیں ہے۔ اللہ کے ہر کلمہ میں ایسے کلمات مضمر ہیں کہ سمندر (کا پانی) ان کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے''۔

قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر میں عام طور پر افراد یا جماعتوں کے مخصوص

فکر و مسلک کی ترجمانی ایک معروف بات ہے۔ شیخ ابن عربی بھی قرآنی آیات کی تفسیر وتوضیح میں اپنا دامن اپنے مخصوص میلان طبع بلکہ مخصوص فکر کی شمولیت اور اس پر اصرار سے نہیں بچا سکے ہیں۔ چنانچہ متعدد آیات کریمہ میں ان کا صوفیانہ فکر غالب نظر آتا ہے۔ وہ فلسفۂ وحدۃ الوجود کے شارح ہیں، اس لیے ان آیات میں، جہاں اللہ کی ہستی کے غیر فانی اور ہمیشہ قائم ودائم رہنے کا ذکر ہے، توحید وجودی کا مخصوص فلسفہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ بسا اوقات قرآن مجید کے ظاہری الفاظ یا اس کا سیاق وسباق شیخ کی تفسیر وتاویل کا ساتھ نہیں دیتے۔

شیخ کے بعض تفردات، رجحانات اور مخصوص فلسفہ وفکر کے تعارف وتجزیے کے لیے ذیل میں ان کی تفسیر سے کچھ مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اهدنا الصراط المستقيم۔ صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔ (الفاتحة: ٦۔٧)

ان آیات میں 'الصراط المستقیم' سے مراد بعض اہل تفسیر نے الطریق الحق یا ملت اسلامیہ کا راستہ لیا ہے۔ ۱۱؎ بعض نے اسے اس راستے سے تعبیر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے کھولا گیا ہے اور جو دین ودنیا دونوں کی فلاح وسعادت کا ضامن ہے۔ ۱۲؎ بعض نے اس سے فلاح دارین کا موجب اور دنیا کی الجھنوں کے رفع وازالہ میں نسخۂ اکسیر ثابت ہونے والا راستہ مراد لیا ہے۔ ۱۳؎ بعض نے اسے اللہ کے منظور نظر بندوں کا راستہ قرار دیا ہے۔ ۱۴؎ الشیخ الاکبر نے اسے ہدایت پر ثابت قدم رکھنے اور توحید کے راستے پر استقامت بخشنے سے تعبیر کیا ہے۔ مزید فرماتے ہیں:

> ''یہی وہ راستہ ہے جو منعم حقیقی کا راستہ ہے، جس نے اپنی مخصوص نعمت: معرفت، محبت، ہدایت اور حقانیت سے سرفراز فرمایا، یہی وہ طریقہ ہے جس پر انبیائ، شہداء، صدیقین اور اولیاء عامل رہے، بلکہ

ہمہ آں اور ہمہ وقت انھوں نے اسے حرز جان بنائے رکھا۔۱۵؎

اگرچہ 'صراط الذین انعمت علیھم' میں نعمت کی جامع تعبیر شریعت یا دین اسلام سے ہوسکتی ہے، جیسا کہ بالعموم مفسرین کی رائے ہے، تاہم 'الصراط المستقیم' کے لیے طریقۃ الوحدۃ یا طریقۃ التوحید جو تعبیر ابن عربی نے اختیار کی ہے وہ اس لحاظ سے مہتم بالشان ہے کہ دین کی اصل بنیاد توحید ہے، یا یوں کہا جائے کہ جب تک توحید کا عقیدہ نہ، ہو بڑے سے بڑے اعمال بھی خس وخاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، بلکہ توحید کے بغیر ان اعمال کی حیثیت آخرت میں صحرا کے سراب کی سی ہوگی۔۱۶؎ صراط مستقیم' سے متعلق ابن عربی کی اس تاویل میں اگرچہ ان کے مخصوص فلسفہ وحدۃ الوجود کی جھلک ملتی ہے، تاہم یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ توحید کا راستہ ہی دراصل تمام خداؤں سے رشتہ منقطع کرا کے خدائے واحد کا پرستار بناتا ہے اور اس طرح انسان اس دنیا میں مخدوم کائنات بن کر شرف وعظمت کی بلندیوں پر کمندیں ڈالتا ہے اور دوسری طرف وہ آخرت کی لازوال مسرتوں سے ہم کنار ہوتا ہے۔

آیت بالا کے آخری حصے 'غیر المغضوب علیھم ولا الضالین' کی تاویل بھی شیخ ابن عربی نے بڑی دل چسپ کی ہے۔ عام طور پر مفسرین نے 'غیر المغضوب علیھم' سے یہود کو اور 'ولا الضالین' سے نصاری کو مراد لیا ہے۔۱۶؎۔ اس آیت کی تاویل میں شیخ کا مخصوص فکر نمایاں ہے۔ انھوں نے ان دونوں جماعتوں کے معتوب اور گم گشتہ راہ ہونے سے متعلق یہ توجیہ کی ہے:

"غیر المغضوب علیھم، الذین وقَفُوا مع الظاھر واحتَجَبُوا بالنعمة الرحمانیةِ والنعیمِ الجسمانی والذوق الحِسّی عن الحقائقِ الروحانِیة والنعیم القلبی والذوق العقلی کالیھود، اِذ کانت دعوتُھم الی الظواھرِ والجِنان، والحُور والقصور، فغضب علیھم لأن الغضب یستلزم الطَرْد والبُعد والوقوف مع الظواھر التی ھی الحُجب الظُّلمانیة غایة البعد و "لاالضالین" الذین وَقَفُوا مع

البواطن التی ھی الحُجُب النورانیۃ و احتجبوا بالنعمۃ الرّحیمیۃ عن الرّحمانیۃ وغَفَلوا عن ظاھریۃ الحق وضَلّوا عن سواء السبیلِ فحَرّموا شھود جمالِ المحبوب فی الکل کالنصاری اذ کانت دعوتھم الی البواطن و انوار عالم القدوس۔۱۷؎

''المغضوب علیہم' وہ لوگ ہیں جو ظاہری چیزوں پر قائم رہے اور رحمانی نعمت، جسمانی لذت اور حسی ذوق کی وجہ سے روحانی حقائق، قلبی نعمت اور ذوق عقلی سے گریزاں رہے، جیسے یہود، کیوں کہ ان کی دعوت ظاہری چیزوں، باغات، حوروں اور محلات کی طرف تھی، پس ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا، کیوں کہ غضب، برترفی، انتہائی اور بعد کو مستلزم ہے اور ظاہری چیزوں سے وابستگی کو مستزلم ہے، تاریک پردے ہیں اور 'الضالین' وہ لوگ ہیں جو باطنی چیزوں پر قائم رہے، جو نورانی پردے ہیں۔ یہ لوگ نعمت رحیمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رحمانی نعمتوں سے گریزاں رہے اور حق کی ظاہری چیزوں سے غافل رہے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ پس انھوں نے ہر شکل میں محبوب کے جمال کے مشاہدے کو حرام قرار دیا، جیسے کہ نصاریٰ، کیوں کہ ان کی دعوت باطن اور عالم قدوسی کے انوار کی طرف تھی''۔

سورۃ المنافقون کی پہلی آیت ہے: **واللہ یشھد ان المنٰفقین لکٰذبون** 'اور اللہ گواہ ہے کہ منافقین بالیقین جھوٹے ہیں'۔

اس آیت میں منافقین کی ایک خصلت یہ بتائی گئی ہے کہ یہ لوگ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ۔ اور ایسا طرزِ عمل اللہ کو بہت ہی ناپسند ہے۔ (الصّف: ۲) بعض دوسری خصلتیں اس کے ذیل میں یہ ہیں کہ وہ ایمان والوں کو اپنی دانست میں دھوکہ دیتے ہیں، وہ مفادات کے بندے ہوتے ہیں، کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لیتے، سازگار اور خوش گوار حالات میں وہ اسلام کا علم اٹھاتے ہیں اور ناخوش گوار حالات میں پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ (البقرۃ: ۹۔۲۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

کہ ان کا عمل ان کے قول کے مطابق نہ ہونے کی بنا پر یا قلب سے اعتقاد کے بجائے محض زبانی گواہی دینے کی بنا پر وہ جھوٹے ہیں۔

'المنافقین' کی تشریح وتوضیح میں شیخ ابن عربی کے پیش نظر غالباً وہ آیت کریمہ ہے، جس میں منافقین کے تردد وتذبذب کا تذکرہ 'مذبذبین بین ذلک لاالی ھولاء ولا الی ھولاء' کے الفاظ میں ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے 'متذبذبین' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ منافقین کے اندر اصل اور فطری صلاحیت تو نور ایمان کی طرف کھینچنے والی ہوتی ہے، لیکن ان کی عاداتِ شنیعہ اور خصائص رذیلہ کی افزائش کی بنا پر پیدا ہونے والی عارضی صلاحیت انھیں کفر کی طرف کھینچتی ہے اور رسالت کی شہادت میں یہ جھوٹے ہیں، اس لیے کہ رسالت کے معنی کی حقیقت اللہ اور علم میں پختہ کار لوگ ہی جانتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کو اور اس کے ذریعہ رسول کو جانتے ہیں۔ اس لیے کہ رسول کی معرفت اللہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔

وحدۃ الوجودی فکر وفلسفہ کے علم بردار اور نقیب ہونے کے باوجود شیخ ابن عربی عام صوفیوں کی طرح محض باطنیت کے علم بردار نہیں تھے، بلکہ ظاہر کو بھی اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ وہ اللہ کی معرفت کے لیے شریعت پر عمل پیرا ہونے کو بھی جز لاینفک کی حیثیت دیتے تھے۔

ادارتی نوٹ

اس مضمون میں شیخ ابن عربی کی تفسیر کا بہت اجمالی تعارف کرایا گیا ہے اور جو چند مثالیں پیش کی گئی ہیں ان سے اس کے مشتملات کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ اس تفسیر کے تعارف وتجزیہ پر مشتمل ایک مبسوط مقالہ مولانا سید احمد عروج قادریؒ نے ماہ نامہ زندگی رام پور (نومبر ۱۹۸۳ئ) میں لکھا تھا۔ افادیت کے پیش نظر اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش خدمت ہیں:

''بعض محققین نے اس کتاب کے بارے میں دو باتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی طرف اس کتاب کا انتساب غلط ہے۔ یہ کمال الدین کاشی کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ تفسیر قرآن نہیں ، بلکہ بہت سی آیات قرآن کی تاویل ہے۔ یہ دوسری بات خود مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں لکھی ہے۔

"پہلی بات کے بارے میں اس حقیر نے خود کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ یوں بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ تاویلات کے پردے میں جو فلسفیانہ تصوف اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ شیخ اکبر کی مسلمہ کتابوں فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ میں موجود ہے"۔

"دیباچہ میں مصنف نے جو باتیں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کی تفسیر بالرآی پر جو وعید آئی ہے، اس کا تعلق قرآن کے ظاہر یعنی اس کی تفسیر سے ہے، قرآن کے باطنی یعنی اس کی تاویل نہیں۔۔۔ یہ حقیر عرض کرتا ہے کہ۔۔۔ قرآن کریم کی تفسیر بالرای پر جو وعید آئی ہے وہ بدرجۂ اولیٰ گم راہ کن تاویلات پر بھی صادق آتی ہے"۔

"یا ایھا الذین آمنو اور الذین آمنو کے جملہ قرآن میں بہت آئے ہیں۔ مصنف ایمان کی من گھڑت تقسیم کے اعتبار سے ان آیات میں کہیں ایمان علمی لکھ دیتے ہیں ، کہیں ایمان عینی اور کہیں ایمان حقی۔ جنت کو انھوں نے تین قسموں میں بانٹ دیا ہے: جنت افعال، جنت صفات اور جنت ذات۔ حور و قصور والی جنت کو وہ جنت افعال قرار دیتے ہیں، جو ان کے خیال میں گھٹیا درجہ کی جنت ہے، وہ 'رضوان اللہ' کو جنت صفات کہتے ہیں۔ باقی رہی جنت ذات تو معلوم نہیں وہ کیا چیز ہے؟۔۔۔ یہ حقیر عرض کرتا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبوی میں جنت کی اس تقسیم کا کہیں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔

"و النصر نا علی القوم الکافرین' (البقرۃ:۲۵) میں انھوں نے 'القوم الکافرین' سے نفوس امارہ اور اوہام وخرافات مراد لیا ہے۔۔ یہ عربی زبان

کا مذاق اڑانا ہے۔ وحدۃ الوجود کے وہم نے صوفیہ کو کتنے گہرے گڑھے میں گرا دیا ہے۔

''اس کتاب میں صرف یہی نہیں کیا گیا ہے کہ 'تاویل' کے نام سے فلسفیانہ تصوف کے نظریات و خیالات زبردستی اس میں داخل کیے گئے ہیں۔ بلکہ الفاظ قرآن کے ساتھ بھی کھلی ہوئی زیادتیاں کی گئی ہیں۔ حد یہ ہے کہ قیامت کے جو اسماء صفات قرآن میں ہیں، ان کے معنیٰ و مراد کو بھی بدل دیا گیا ہے، مؤلف کتاب نے قیامت کی بھی دو قسمیں کر دی ہیں: قیامت کبریٰ، قیامت صغریٰ۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ جس یوم الحساب اور یوم الدین کے ذکر سے قرآن بھرا ہوا ہے وہ مؤلف کے نزدیک قیامت صغریٰ (چھوٹی قیامت) ہے۔ پھر قیامت کبریٰ کیا ہے؟ وہ ہے سالک راہ عشق کا مقام فنا پر پہنچ جانا اور فنا فی اللہ ہو جانا۔

''اس کتاب کے مرتب نے پورے قرآن کو اپنے من گھڑت فلسفہ کا تختۂ مشق بنا ڈالا ہے''۔

یہ مقالہ مولانا مرحوم کی کتاب 'تصوف اور اہل تصوف' میں شامل ہے۔ (ص۲۸۱۔ ۳۰۲) تفصیل کے طالب اس سے رجوع کر سکتے ہیں۔ (رضی الاسلام)

حواشی و مراجع

(۱) The Encyclopaedia of Islam, P. 708 (New Edition) 1971, E.J. Leiden

(۲) Joseph W. Meri (Editor): Medieval Islamic Civilization - An Encyclopaedia, vol. 1, p. 349. New York, London

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۱، ص: ۶۰۷، طبع اول، ۱۹۸۰ئ، لاہور

(۴) ابو العلاء العفیفی کا مضمون 'ابن العربی' اردو دائرہ معارف اسلامیہ، اردو دانش گاہ